سقوطِ ڈھاکہ کا
ذمہ دار کون؟

تالیف:

ابو انور الہندی



نوائے غزوۂ ہند

مطبوعات

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

نامِ کتاب	سقوطِ ڈھاکہ کا ذمہ دار کون؟
مصنف کا نام	ابو اَنور الہندی
تاریخِ اشاعت	۱۳ جمادی الثّانی ۱۴۴۶ھ / ۱۵ دسمبر ۲۰۲۴ء
ناشر	ادارہ نوائے غزوۂ ہند
برقی پتہ برائے رابطہ	editor@nghmag.com

سقوطِ ڈھاکہ کا ذمہ دار کون؟

تالیف:

ابو انور الہندی



فہرست

حرفِ اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ، أما بعد!

پاکستان، ’لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ‘ کے نام، نعرے، دستور اور منشور کی بنا پر معرضِ وجود میں آیا تھا۔ اس کلمے کا مطلب ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کو عبادت کے لائق نہیں سمجھتے، وہ ہر ہر شئے کا بلاشرکتِ غیرے خالق اور مالک ہے، پس پادشاہی اسی کو زیبا ہے، اس نے جو شریعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتاری ہے، بس وہی لائقِ اتباع ہے، باقی ہر ’عصبیت‘ اور ’نظام‘ و ’ازم‘ باطل ہے۔

اسی ’لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ‘ کے عدمِ نفاذ کے سبب پاکستان دولخت ہوا، مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بنا اور آج تک اسی ’لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ‘ سے دوری کے سبب اہلِ پاکستان و بنگلہ دیش برابر اپنے حقوق سے محروم ہیں۔

زیرِ نظر تالیف ’سقوطِ ڈھاکہ کا ذمہ دار کون؟‘ ہمارے ساتھی برادرِ محترم، ابو اَنور الہندی (حفظہ اللہ) کی ہے، جن کا تعلق حاجی شریعت اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی سرزمینِ بنگال سے ہے، جس کے مشرقی حصے کو بنگلہ دیش کے نام سے جانا جاتا ہے، انہوں نے یہ تحریر بنگلہ دیش ہی میں دو سال قبل قلم بند کی تھی، اور یہ تحریر تبھی قسط وار مجلّہ نوائے غزوۂ ہند میں شائع بھی ہوئی تھی۔ اس وقت بنگلہ دیش میں لادین اور بھارت نواز شیخ حسینہ واجد کی حکومت تھی، الحمد للہ، آج جب یہ تالیف یکجا ہو کر بصورتِ کتابچہ نشر ہو رہی ہے تو مشرقی بنگال کی سرزمین حسینہ واجد اور اس کے نظام کے وجود سے پاک ہو چکی ہے۔

لیکن، حسینہ واجد اور اس کے سیکولر و بھارت نواز نظام سے خلاصی اہلِ بنگال کی منزل نہیں، بلکہ منزل کی جانب سفر کا پہلا پڑاؤ ہے۔ ابھی اہلِ بنگلہ دیش کو اپنے معاشرے سے لے کر ایوانِ حکومت تک ایک طویل اور کٹھن محنت کرنی ہے، یہاں تک کہ وہ منزل حاصل ہو جائے جس کی خاطر سلہٹ و ڈھاکہ کے لوگوں نے ۱۹۴۷ء میں علامہ ظفر احمد عثمانی (نوّر اللہ مرقدہ) کا ساتھ دیتے ہوئے تحریکِ پاکستان میں شمولیت اختیار کی تھی۔ یہ تحریر بنگلہ دیش کے لوگوں کو پاکستان کے ’بیانیے‘ کی طرف دعوت نہیں کہ پاکستان تو بدقسمتی سے خود نفاذِ دین کی نعمت سے محروم ہے اور پاکستان

میں جرنیل، سیاست دان اور بیوروکریسی کا پھیلایا ہوا جعلی جمہوری، سرمایہ دار و جاگیر دار نظام نافذ ہے، بلکہ حقیقت کی آنکھ سے دیکھا جائے تو یہ تحریر اہلِ پاکستان و بنگلہ دیش دونوں کو برابر مخاطب ہے اور پورے برِّصغیر کے عوام و خواص کو اللہ کی زمین پر اللہ کا نظام نافذ کرنے کی دعوت دیتی ہے۔

اللہ پاک برِّصغیر سمیت پورے عالم میں اپنے دین کا بول بالا فرمائیں، ایسے رجال پیدا فرمائیں جو اس کے دین کے لیے اسی منہج و طریق پر محنت کریں، جس منہج و طریق پر اللہ پاک نے اپنے اور ہمارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو قبول فرمایا تھا، اللہ پاک ہمیں اس لشکر کا حصہ بنائیں جو احادیث میں موجود غزوۂ ہند میں دعوت سے لے کر قتال تک کے میادین گرم کرنے والا ہو، اس خطے کو وہ سرزمین بنائیں، وہ برِّ صغیر، وہ اسلامی ہند جہاں سے اندلس و اقصیٰ کی جانب قافلے نکلیں، آمین یاربّ العالمین!

وصلی اللہ تعالیٰ علی النبی، وآخر دعوانا أن الحمد للہ ربّ العالمین.

مدیر

ادارہ 'نوائے غزوۂ ہند'

۱۳ جمادی الثّانی ۱۴۴۶ھ / ۱۵ دسمبر ۲۰۲۴ء

☆☆☆☆☆

تعارف

مشرقی بنگال کے وہ مسلمان جنہوں نے پاکستان کے خواب کو حقیقت بنانے میں کلیدی کردار ادا کیا، کیا وجہ تھی کہ یہی مسلمان بعد ازاں اپنے ہاتھوں سے تعمیر کیے اس ملک کے خلاف لڑے اور بالآخر بنگلہ دیش کی صورت میں اس سے علیحدہ ہو گئے ؟! اس سوال کا کوئی سیدھا سادہ جواب نہیں ہے۔ مارچ ۱۹۷۱ء میں اپنی آزادی و خود مختاری کا اعلان کرنے سے محض ساڑھے پانچ سال قبل، مشرقی پاکستان (مشرقی بنگال) کے عوام کی بڑی اکثریت مسلمہ طور پر پاکستان کی حامی تھی۔ ۱۹۶۵ء میں بھارت کے خلاف جنگ میں ہزاروں بنگالی فوجیوں نے دادِ شجاعت دی اور کتنوں نے پاکستان کے تحفظ کی خاطر جانیں قربان کیں۔ اس کے باوجود ۱۹۷۱ء میں پاکستان ٹوٹ گیا، اور ایک نیا ملک بنگلہ دیش، دنیا کے نقشے پر ابھرا۔

سقوطِ ڈھاکہ کا ذمہ دار کون تھا؟ پاکستان، وہ ملک جو اسلام کے نام پر بنایا گیا، اس کے دولخت ہونے کا ذمہ دار کون تھا؟

پاکستان میں اس سوال کا جواب ہے: ''شیخ مجیب الرحمٰن۔ مجیب ایک غدار تھا جس نے بھارت کی مدد سے پاکستان کو دو لخت کر دیا۔'' یہی بات معروف ہے۔

بنگلہ دیش میں اس سوال کا جواب بالکل مختلف ہے: ''۷۱ء کا سنہ 'سقوطِ ڈھاکہ' کی یادگار نہیں، بلکہ یہ بنگلہ دیش کے وجود میں آنے کا سنگِ میل ہے۔ بنگالی مغربی پاکستانیوں اور ان کے ظلم کے خلاف لڑے اور ان سے نجات حاصل کی، اور مجیب الرحمٰن ان کا قائد اور رہنما تھا۔''

جبکہ بھارت میں جو معروف بات ہے، وہ یہ ہے کہ ''۷۱ء میں پاکستان اور بھارت کے مابین ایک جنگ ہوئی، جس میں بھارت جیت گیا اور پاکستان شکست کھا کر دو ٹکڑے ہو گیا۔''

یہ تمام بیانیے ایک دوسرے کی ضد ہیں اور فطرتاً یہ سب درست نہیں ہو سکتے۔ حقیقت کیا ہے؟...... ان تینوں بیانیوں میں حقیقت کے بعض پہلو موجود ہیں، مگر یہ تینوں ہی اصل حقیقت کے بنیادی اجزاء سے محروم ہیں۔

پاکستان کے دونوں بازوؤں (مشرقی و مغربی پاکستان) میں بہت سے اختلافات پائے جاتے تھے: زبان، تہذیب و ثقافت، رنگ و نسل کے فرق، اس پر مستزاد ریاستی رضامندی سے پیدا ہونے والی معاشی، معاشرتی اور انفراسٹرکچر و وسائل میں عدمِ مساوات۔ ان تمام اسباب و وجوہات نے ۱۹۷۱ء میں اپنا رنگ دکھایا۔ اس مضمون میں ہم کوشش کریں گے کہ ۱۹۷۱ء کے افسوسناک واقعات اور ان میں ملوث و شامل مرکزی کرداروں اور بنیادی اسباب پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالیں اور دیکھیں کہ وہ کون سے نام اور کیا اسباب تھے، جو ڈھاکہ کے سقوط کا سبب بنے؟

مبنی بر تعصب امتیازی سلوک

۱۹۷۱ء میں جو کچھ ہوا، اس کے وقوع پذیر ہونے کے بنیادی اسباب میں سے ایک اہم سبب وہ متعصبانہ اور تحقیر آمیز رویہ تھا، جو مشرقی پاکستان کے مسلمانوں سے روا رکھا جاتا تھا۔ مشرقی بنگال کے مسلمان پاکستان کے لیے ایک ارمانوں سے بھرا دل رکھتے تھے۔ لیکن نئی ریاست کے وجود میں آنے کے کچھ ہی عرصہ بعد وہ اس نئے نئے حاصل کردہ 'سونار پاکستان' کے سحر سے نکلنے لگے۔ پہلے پہل اس کی وجہ وہ قحط سالی کی صورتحال بنی، جس کا نئی ریاست کو سامنا تھا۔

۱۹۴۹ء تک پورے مشرقی بنگال میں چاول (جو عوام کی بنیادی و عمومی غذا تھی) کی قیمت میں تقریباً پانچ گنا اضافہ ہو چکا تھا، اور غذا کی قیمتوں میں کمی کے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے تھے[1]۔ آزادی حاصل کرنے کے بعد ایک سال سے بھی کم عرصے میں مشرقی بنگال میں شدید غذائی بحران اور حکومت کی اس صورتحال کو سنبھالنے میں حد درجہ غفلت و نااہلی کا مظاہرہ کرنا وہ وجہ تھی جس کے سبب حکومت کے خلاف پہلا احتجاجی مظاہرہ کیا گیا۔

پاکستان کے دونوں بازوؤں کے درمیان بڑا واضح فرق تھا۔ دونوں کے درمیان تفاوت اور عدم مساوات کے تاریخی اسباب بھی تھے۔ ملک کے بائیں بازو کے پاس دائیں کی نسبت بہت بہتر شہری اور صنعتی انفراسٹرکچر اور برطانوی

---

[1] 'State Against the Nation: The Decline of the Muslim League in Pre-Independence Bangladesh' از احمد کمال: 'Purbo Banglar Bhasha Andolon o Tatkalin Rajniti' (مشرقی بنگال میں تحریک زبان اور عصری سیاست) از بدرالدین عمر

سامراجی دور کے تعلیم یافتہ افراد کا ایک بڑا ذخیرہ موجود تھا۔ اس پر مستزاد، تقسیمِ ہند کے بعد ہزاروں کی تعداد میں تعلیم یافتہ اور صاحبِ ثروت مسلمان ہندوستان سے ہجرت کر کے مغربی پاکستان چلے گئے۔ جبکہ دوسری طرف مشرقی پاکستان (یعنی مشرقی بنگال) سے بے شمار ہندو استادوں، ڈاکٹروں، انجینئروں، تاجروں اور پیشہ ور افراد نے بھارت کی جانب انخلا کیا اور ان کے ساتھ بے تحاشا سرمایہ بھی بنگال سے نکل گیا۔ یوں مشرقی بنگال کی قسمت میں شروع سے ہی ناموافق حالات لکھے ہوئے تھے، مگر ان مسائل کو متعصبانہ اور امتیازی رویّوں نے قصداً بڑھا دیا۔

تقسیم کے بعد بالکل شروع میں ہی، ۱۹۴۸ء میں حکومتِ پاکستان نے مشرقی بنگال کو اس کی آمدن کے واحد ذریعہ، سیلز ٹیکس (sales tax) سے محروم کر دیا۔ مغربی پاکستان کی اشرافیہ نے سیلز ٹیکس کو صوبائی حکومت کے دائرۂ اختیار سے نکال کر مرکزی حکومت کو دے دیا۔ اور سن ۱۹۵۸ء تک مرکزی حکومت نے قومی بجٹ میں سے تفویض کردہ رقم کا ۵۰ فیصد سے زیادہ حصّہ محض دارالحکومت کراچی پر صرف کر دیا تھا۔ جب کراچی کے پاس ایک بین الاقوامی ائیر پورٹ اور ایک سمندری بندرگاہ بھی موجود تھی، مشرقی بنگال کے پاس ان دونوں میں سے کچھ نہیں تھا۔ تقسیم سے قبل، مشرقی بنگال پوری دنیا میں پیدا ہونے والی پٹسن (jute) کی تقریباً اسّی فیصد پیداوار کا ذمہ دار تھا، پاکستان کا حصّہ بننے کے بعد بھی پاکستانی برآمدات کا بڑا حصّہ مشرقی بنگال کی اس پیداوار پر مشتمل تھا۔ باوجود اس کے کہ آمدن کا بڑا حصّہ پیدا کرنے میں مشرقی بنگال کا کردار تھا، مغربی پاکستان کی درآمدات مشرقی بنگال سے زیادہ تھیں۔

پھر ایوّب خان کے دور میں بنگالیوں کو ایک متحدہ پاکستان میں اپنا مستقبل مزید تاریک نظر آنے لگا۔ ۱۹۶۰ء اور ۱۹۷۰ء کے درمیان جبکہ پاکستان کے جی ڈی پی کی بڑھوتری کا تناسب چھ اعشاریہ سات (6.7%) فیصد تھا، افسوسناک طور پر مشرقی پاکستان میں یہ تناسب محض تین اعشاریہ چھ فیصد (3.6%) تھا[۲]۔ بے تحاشا لٹریچر اور ریکارڈ موجود ہے جو مشرقی پاکستان سے روا رکھے جانے والی ناقابلِ یقین تفریق کا حال بیان کرتا ہے۔ وہ تفریق جو مغربی پاکستان کی حاکم اشرافیہ نے پیدا کی اور متحدہ پاکستان کے ۲۴ سالہ عرصے میں اسے پروان چڑھایا۔

[۲] 'General Economic Conditions under the Raj' از سگاتا بوس

زبان کا مسئلہ

پاکستان کے وجود میں آنے کے کچھ ہی عرصہ بعد، مارچ ۱۹۴۸ء میں پاکستان کے اوّلین گورنر جنرل محمد علی جناح نے علی الاعلان اردو کو پاکستان کی واحد ریاستی زبان قرار دے دیا۔ بنگالی دانشور، سیاستدان اور طلبہ اس اعلان پر حیران و ششدر رہ گئے۔ یہ اعلان مشرقی پاکستان (مشرقی بنگالیوں) کے نزدیک پاکستان کی اکثریت کے جذبات کی بے وقعتی و بے قدری کا واضح اظہار تھا۔ ایک نمایاں بنگالی مسلمان سیاستدان ابو المنصور احمد نے، جو قبل از تقسیم بنگال میں کرشک پرجا پارٹی اور کانگریس سے وابستہ رہے اور بعد ازاں جناح کی مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کر لی، جناح کے اردو کے بارے میں اس غلط موقف پر غصّہ و رنج کی ملی جلی کیفیت میں لکھا:

''ڈھاکہ میں قائدِ اعظم کی تقریر کے دوران جس دوسری بات نے مجھے غمزدہ کیا وہ بنگلہ زبان کے بارے میں ان کی رائے تھی۔ میں جناح کو پچیس سال سے جانتا ہوں۔ اس پورے دور میں، میں نے ان کی سیاسی مخالفت صرف پانچ سال کا عرصہ کی۔ بقیہ بیس سال میں ان کا حامی و مددگار بنا رہا۔ مجھے ان سے اس قدر حساس معاملے پر ایسے غیر ذمہ دارانہ بیان کی کبھی بھی توقع نہ تھی، وہ خود نہ بنگالی جانتے تھے اور نہ اردو......''۔ (اے ایم احمد، امار دیکھا راجنیتیت پنچاس بچار)

جناح صاحب، ناظم الدین اور دیگر پاکستانی سیاستدانوں کی اردو کی حمایت میں دیے جانے والے بیانات نے مشرقی بنگال کے باسیوں کو یہ باور کرا دیا کہ اگرچہ وہ پاکستان کی کل آبادی کا اکثریتی حصّہ تھے، اس کے باوجود ملکی معاملات میں ان کا عمل دخل نہ ہونے کے برابر تھا۔ انہیں محض سیاسی و معاشی اعتبار سے کنارے نہیں لگایا جاتا تھا، بلکہ تہذیبی و ثقافتی اعتبار سے بھی غیر بنگالی اقلیتوں کے مقابلے میں انہیں کمتر پاکستانی کا درجہ حاصل تھا۔

۲۱ فروری ۱۹۵۲ء کو ڈھاکہ یونیورسٹی میں بنگالیوں کی جانب سے بنگلہ زبان کو پاکستان کی ریاستی زبانوں میں شامل کرنے کے مطالبے پر پولیس نے بلا اشتعال و بلا تفریق مظاہرین پر فائر کھول دیا، جس سے پانچ بنگالی نوجوانوں کی موت واقع ہو گئی جن میں سے تین طلبہ تھے۔ اس سانحے کے بعد بنگالی عوام کی وہ تحریک جو جناح صاحب کی ۱۹۴۸ء کی تقریر کے

ردِّ عمل میں معمولی احتجاج کے طور پر شروع ہوئی تھی، یکا یک ایک ہمہ گیر قومی تحریک میں تبدیل ہو گئی۔ بدر الدین عمر، ایک کمیونسٹ بنگالی لکھاری نے لکھا:

> ''۲۱ فروری کو پولیس کی فائرنگ نے بنگلہ زبان کی تحریک کو راتوں رات ایک عوامی تحریک میں بدل دیا ہے جو موجودہ حکومت کا تختہ الٹنا چاہتی ہے۔ عوام الناس پر حکومتِ پاکستان کا علاقائی کردار واضح طور پر آشکارا ہوا ہے اور انہیں اپنے لیے جدوجہد کرنے کی ضرورت کا احساس ہوا ہے، محض چند بنیادی علاقائی حقوق حاصل کرنے کی خاطر نہیں، بلکہ اپنے آپ کو ایک لسانی بنیاد پر متحد ہونے والی قوم کے طور پر منظم و مضبوط کرنے کی ضرورت کا بھی۔''[۳]

۲۱ فروری کے ان واقعات نے مشرقی بنگال کی مجموعی سیاست کو بری طرح متاثر کیا اور ان واقعات کے بعد مشرقی بنگال میں بنگالی قومیت پرستی اپنے عروج پر پہنچ گئی۔ مگر ۱۹۶۰ء کی دہائی کے آغاز تک، پاکستان کی کرنسی، سٹیمپ یا دیگر کسی بھی قومی علامت و شعار میں کہیں بھی بنگالی کا استعمال نظر نہیں آتا تھا۔

تحقیر و تذلیل

لوگوں کے درمیان تعلقات توڑنے اور دلوں میں فاصلے پیدا کرنے کا بہترین طریقہ تحقیر و تذلیل ہے۔ ۱۹۴۶ء میں قوتِ ایمان سے سرشار بنگالی مسلمانوں نے مسلمانانِ ہندوستان کے لیے ایک نئی سرزمین، پاکستان بنانے کے حق میں ووٹ دیا۔ مگر مغربی پاکستان کی فوجی و سیاسی قیادت اور ان کے بنگالی طرفداروں نے اسلامی بنگال کی وافر و زرخیز اسلامی ثقافتی میراث سے نابلد ہونے کے سبب، اپنی جہالت میں بنگالیوں کی اسلام سے وابستگی پر بھی سوال اٹھایا جس سے بنگالی مسلمان مزید برگشتہ ہو گئے۔ ایک ایسے دور میں جبکہ پہلے ہی اہلِ بنگال غذائی قلّت، بے روزگاری اور لسانی تحریک جیسی مشکلات سے نبرد آزما تھے، اس میں غیر بنگالی حکام اور اشرافیہ کے پیشہ ور و کاروباری افراد کا کھردرا و بد اخلاق رویّہ رِستے زخموں پر نمک پاشی کے مترادف تھا۔

---

[۳] The Emergence of Bangladesh: Vol 2, Rise of Bengali Nationalism از بدر الدین عمر

غیر بنگالی اشرافیہ (فوج، سیاست اور بیوروکریسی) بالخصوص اردو، پنجابی، گجراتی اور سندھی زبان بولنے والوں کے اندر موجود تکبر اور بنگالیوں کے خلاف تعصب مشرقی و مغربی پاکستان کے مابین تنازع کا ایک بڑا سبب تھا، مگر بدقسمتی سے پاکستان میں ۱۹۷۱ء کے واقعات کے بارے میں گفتگو کے دوران اس اہم اور بنیادی سبب سے ہمیشہ صرفِ نظر کیا جاتا ہے۔

اس غیر بنگالی اشرافیہ (فوج، سیاست اور بیوروکریسی) کے اندر مشرقی بنگالیوں کے خلاف بہت زیادہ تعصب پایا جاتا تھا۔ ہر اس چیز جس میں 'بنگالی پن' کی جھلک ہوتی، اس کے لیے ان کی حقارت صاف اور واضح تھی۔ پھر اس کے ساتھ ان کی مشرقی بنگال کی مسلم ثقافت پر مستقل طعن و تشنیع اور نکتہ چینی نے لاکھوں تعلیم یافتہ بنگالیوں کو مغربی پاکستانیوں اور غیر بنگالیوں سے دور کر دیا۔ مشرقی بنگال کے مسلمانوں کا مذاق اڑانے کا سبب ان کے مبینہ 'ہندوانہ' طور طریقے، غذائی عادات اور زبان وغیرہ تھے۔

قدرت اللہ شہاب ایک ریٹائرڈ غیر بنگالی سینئر بیوروکریٹ اور سفارت کار، مغربی پاکستان کی اشرافیہ (یعنی فوجی و سیاسی قیادت، پالیسی سازوں اور بیوروکریسی) کی مشرقی بنگال کے لیے غیر اخلاقی اور تفریق پر مبنی پالیسیوں سے ریاستِ پاکستان کو پہنچنے والے نقصان کو اجمالاً بیان کرتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

> ''ایک روز میں نے کراچی میں فنانس منسٹر غلام محمد کے دفتر میں ایک میٹنگ میں شرکت کی۔ یہ میٹنگ کراچی میں حکومتی دفاتر اور رہائشی اپارٹمنٹس کے لیے سینٹری سامان خریدنے کے بارے میں تھی۔ وزیرِ تعلیم فضل الرحمٰن (بنگالی) نے ڈھاکہ کے لیے بھی سینٹری سامان کی خریداری کے لیے بجٹ تفویض کرنے کی درخواست کی۔ اس مطالبے پر کمرے میں ایک زور کا قہقہہ پڑا اور ایک صاحب مزاحاً کہنے لگے: 'بنگالی تو کیلے کے درختوں کے پیچھے فراغت حاصل کرتے ہیں، وہ کموڈ اور واش بیسن کا کیا کریں گے؟'۔''[۴]

---

[۴] شہاب نامہ از قدرت اللہ شہاب

یہ اس وقت کی بات ہے جب لیاقت علی خان ملک کے وزیرِ اعظم تھے (۱۹۴۷ء تا ۱۹۵۱ء)۔ قدرت اللہ شہاب کے بقول پاکستان کے وجود میں آنے کے کچھ ہی عرصے بعد، مغربی پاکستان نے اپنے لاشعور میں، 'بنگلہ دیش کی بنیاد ڈالنے' کا عمل شروع کر دیا تھا۔

عطاالرحمٰن خان (بنگالی)، جنہوں نے مشرقی پاکستان کے چیف منسٹر کے طور پر خدمات انجام دیں (۱۹۵۶ء تا ۱۹۵۸ء)، وہ مغربی پاکستان کی قیادت کے متکبرانہ رویّے اور مشرقی بنگال کی تعمیر و ترقی سے ان کی غیر دلچسپی اور عدم تعاون کا حال بیان کرتے ہیں۔ ان قائدین میں سے بعض نے تو برسرِ عام ان سے کہا کہ 'مشرقی پاکستانیوں کو ہمیشہ مغربی پاکستان کا شکر گزار رہنا چاہیے'۔

بعض نے یہاں تک کہہ دیا کہ مشرقی پاکستان کبھی بھی تصورِ پاکستان کا لازمی جزو نہیں رہا۔ ایک مغربی پاکستانی سیاستدان، جس نے مشرقی پاکستان میں گورنر کے فرائض سرانجام دیے، نے ایک دفعہ برسرِ عام یہ کہا کہ بنگالی مسلمان 'غیر مختون' اور 'تقریباً ہندو' ہیں[5]۔

مغربی پاکستان کا یہ مقتدر طبقہ اکثر بنگالیوں کے ایمان و اسلام پر سوال اٹھاتا رہتا تھا۔ مشہور پاکستانی صحافی انتھونی ماسکرناز اپنی کتاب 'The Rape of Bangladesh' میں لکھتا ہے:

> "بنگالی مسلمانوں کے ایمان و تقویٰ پر شک و شبہے کے بھی عجیب مظاہر تھے۔ ۱۹۵۲ء میں مشرقی پاکستان کے پنجابی گورنر، ملک فیروز خان نون نے ایک بار کہا کہ بنگالی محض 'آدھے مسلمان' ہیں اور ان پر الزام لگایا کہ وہ اپنی مرغیاں 'حلال' کرنے کی زحمت نہیں کرتے۔ اس بے عزتی کا محترم مولانا بھاشانی نے ان الفاظ میں جواب دیا: 'کیا اب یہ ثابت کرنے کے لیے کہ ہم مسلمان ہیں، ہمیں اپنی لنگیاں اٹھا کر دکھانا ہوں گی؟'۔"[6]

[5] "The Role of Awami League in the Political Development of Pakistan" از ایم راشد الزماں
[6] 'The Rape of Bangladesh' از انتھونی ماسکرناز

کہیں مسلمانانِ بنگلہ دیش کو 'غیر مختون' کہہ کر ان پر طعن کی جاتی اور کہیں انہیں 'ختنے والے ہندو' کہہ کر مذاق اور تضحیک کا نشانہ بنایا جاتا۔

اس پر مستزاد، بالکل ابتدا سے ہی مغربی پاکستان کے اصحابِ اقتدار نے ہر ممکن کوشش کی کہ بنگالیوں کو پاکستان میں کسی بھی سیاسی قوّت کی حامل بڑی پوزیشن حاصل کرنے سے روکا جائے۔ لیاقت علی خان کی حکومت نے فضل الحق، ایچ ایس سہروردی، مولانا بھاشانی اور ابوالہاشم جیسے بنگالی سیاستدانوں کو پاکستانی سیاست کے اہم دفاتر سے دور رکھنے کی کوشش میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی[7]۔

۱۹۷۱ء میں بھٹو اور فوجی جرنیلوں نے بھی یہی تاریخ دہرائی۔ مجیب نے ۱۹۷۰ء کے الیکشن جیت لیے اور اکثریتی ووٹوں کی بنیاد پر پاکستان کا وزیرِ اعظم منتخب ہوا۔ مگر مغربی پاکستان کی اشرافیہ کے لیے ایک بنگالی بطور وزیرِ اعظم کا تصور ہی ناممکن اور ناقابلِ قبول تھا۔ لہٰذا انہوں نے مشرقی پاکستان کو فوجی طاقت اور زور سے دبانے کا فیصلہ کر لیا۔ یوں ۲۴ سال تک مغربی پاکستان کے مقتدر طبقے نے بنگالیوں کو کمتر جان کر انہیں تحقیر و تذلیل کا نشانہ بنایا، ان کے دین و ایمان پر سوال اٹھائے، ان کا استحصال کیا، برآمدات سے ہونے والی آمدن اور بیرونی امداد میں سے انہیں ان کے جائز حصّے سے محروم کیا۔

جب ایک شخص ان اقتباسات اور یہ جس حقیقت کے عکاس ہیں، ان پر نظر ڈالتا ہے تو نہ چاہتے ہوئے بھی لا محالہ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ اس قسم کے زہریلے رویّوں کے بعد پاکستان کو ٹوٹنے سے بچانا تقریباً ناممکن تھا۔ کیونکہ کوئی بھی خوددار قوم، بلکہ کوئی خوددار مسلمان بھی ایسی ذلّت پر راضی نہیں ہو سکتا۔

---

[7] "The Role of Awami League in the Political Development of Pakistan" از ایم راشد الزماں

بنگالی قومیت پرستی

مغربی پاکستانی قیادت کے ہاتھوں ہونے والی تذلیل و تحقیر اور تفریق پر مبنی رویّہ دیکھتے ہوئے، بنگالیوں نے اپنی بنگالی مسلم شناخت کے تصور کو مضبوط کرنے پر توجہ دی۔ مگر اپنے جوش میں انہوں نے بڑی بڑی غلطیاں کیں جنہوں نے ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا جو آج تک ہمارا پیچھا نہیں چھوڑ رہا۔

اپنے پاس موجود انتہائی زرخیز اسلامی ورثے پر نظر ڈالنے کے بجائے، مڈل کلاس کے سیکولر دانشوروں نے کلکتہ کی جانب دیکھنا شروع کر دیا۔ وہ یہ بھول گئے کہ بنگال کو ایک متحد سیاسی یونٹ کے طور پر کھڑا کرنے کا سہرا ہندوستان کے مسلم دور کے سر ہے۔ بنگال کی مقامی زبان جو ایک طویل عرصے سے برہمنوں کی حاکمیت میں بے توجہی اور غفلت کا شکار تھی، اس کی نشو نما اور تہذیب و ترقی میں مسلمان سلاطین نے کردار ادا کیا۔

۵۰ء اور ۶۰ء کی دہائیوں میں، مشرقی پاکستان کے مڈل کلاس دانشوروں نے انیسویں صدی کا ہندو کلچر (جو کہ نام نہاد بنگالی نشأۃ ثانیہ کا ثمر تھا)، نئے کاغذ میں لپیٹ کر 'خالص سیکولر بنگالی تہذیب' کے نام پر پیش کر دیا۔ بنگالی قومیت پرستی کا یہ نو ایجاد شدہ تصور جنگل کی آگ کی طرح پھیلا۔ یہ بنگالیوں کی نفسیات سے میل کھاتا تھا۔ ایک ایسے وقت میں جبکہ مغربی پاکستان میں ان کے بھائی ان کا مذاق اڑا رہے تھے، انہیں تضحیک و تذلیل کا نشانہ بناتے تھے، ان کے ساتھ تفریق پر مبنی رویہ رکھتے تھے اور انہیں ان کے جائز حقوق سے محروم کر رہے تھے، اس تصور و نظریے نے انہیں اپنی سیاسی شناخت اور اپنے ارادوں اور تمناؤں کے اظہار کا موقع دیا۔

آج بنگالی قومیت کا یہ تصور باؤلے پن کی حد تک سیکولر، اسلام مخالف اور انتہائی متعصبانہ رویوں پر مشتمل ہے۔ آج یہ نظریہ کیا روپ دھار چکا ہے، ۲۰۱۳ء میں شروع ہونے والی شاہ باغ کی ملحدانہ تحریک اس کی بہترین عکاس ہے۔ اور صرف تحریکِ شاہ باغ ہی نہیں، بلکہ بنگلہ دیش میں پیدا ہونے والے کئی بڑے مسائل اور فرقوں کی بنیاد میں یہی زہریلا تصور کارفرما ہے۔

تاہم ۵۰ء اور ۶۰ء کی دہائیوں میں اس نظریے کا جارحانہ حد تک سیکولر اور اسلام مخالف رخ عام آدمی پر واضح نہیں تھا۔ اگرچہ اس تصور کو بنانے سنوارنے اور پیش کرنے والے کئی قائدین کے نظریات اسی فکر کے حامل تھے۔ ایک

عام مشرقی پاکستانی شخص کے لیے، بنگالی قومیت کا تصور اس وقت محض اپنی شناخت اور اپنی زمین پر اپنے فخر کا اظہار تھا۔ بنگالی مسلمانوں نے کبھی اسلام کے خلاف جنگ کی اور نہ ہی کسی 'اسلامی جمہوریہ' کے تصور کے خلاف۔ گلی محلّوں میں بسنے والے عام بنگالی نہ سیکولر تھے اور نہ اسلام مخالف۔ ہاں مگر مستقل تفریق اور تذلیل و تضحیک پر مبنی رویّوں کا سامنا کرتے کرتے ان کے جذبات مجروح تھے، اور بنگالی قومیت کا یہ تصور ان کے لیے ایک روشندان کی مانند تھا جس سے تازہ ہوا کے جھونکے آتے اور گھٹتے ہوئے دم کو بحال کرتے۔ سادہ الفاظ میں کہیں تو یہ کہا جائے گا مسلمانانِ بنگال کی جائز اور حق بجانب رنجشوں اور شکایتوں اور شناخت کے بحران کے مسئلے کو سیکولر دانشوروں نے نہایت مہارت سے اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا۔

پاکستان ایک مشترکہ دین کی بنیاد پر بنایا گیا تھا۔ اس کے دائیں اور بائیں بازو کے درمیان تقریباً ۲ ہزار کلومیٹر کا زمینی فاصلہ تھا۔ جس لمحے اس ملک کے دونوں بازوؤں میں بسنے والے لوگوں کے لیے آبادی کا رنگ و نسل اور ذات پات دین سے بڑھ کر اہم ہو گیا، اسی لمحے تصورِ پاکستان کی موت واقع ہو گئی تھی۔ بھارت نے اپنے اندر بسنے والے بنگالیوں اور پنجابیوں، تامل اور گجراتیوں، کنڑا اور ماڑواریوں اور دیگر تمام قوموں کے مابین موجود تہذیبی فرق اور فاصلے کو پاٹ لیا مگر پاکستان ایسا نہ کر سکا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مغربی پاکستان کی اشرافیہ نے کبھی اس فاصلے کو دور کرنے کی کوشش کی، نہ انہیں ایسی کوئی ضرورت یا خواہش ہی محسوس ہوئی۔ المیہ یہ ہے کہ ہندوُ بھارت اپنے مشرکانہ دین اور ذات پات پر کھڑے اپنے معاشرتی نظام کے باوجود قوم میں اتحاد و اتفاق پیدا کرنے میں کامیاب ہو گیا جبکہ پاکستان، جو اسلام کے نام پر بنایا گیا، ایسا نہ کر سکا۔

مجیب الرحمٰن سے قبل علیحدگی پسند رجحانات

پاکستان و بنگلہ دیش دونوں میں یہ عمومی خیال پایا جاتا ہے کہ مشرقی بنگال کو خود مختار و آزاد بنگلہ دیش کے روپ میں دیکھنے اور یہ تصور پیش کرنے والا پہلا شخص مجیب الرحمٰن تھا۔ حالانکہ یہ خیال انتہائی غلط ہے۔ مجیب سے پہلے بھی بہت سے نمایاں سیاستدان یہ رائے پیش کر چکے تھے۔ اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے مشرقی پاکستان میں بہت سے بنگالی مجیب کے ایک قومی لیڈر بننے سے بہت پہلے علیحدگی حاصل کرنے کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

مجیب کے ۱۹۶۶ء میں چھ نکاتی پروگرام اور مشرقی پاکستان کے لیے مزید خود مختاری کے مطالبے سے ایک لمبا عرصہ پہلے، ۱۹۴۹ء میں عوامی مسلم لیگ کے لیڈر عطاء الرحمن خان نے ڈھاکہ میں پاکستان کے دستور کا مسودہ تیار کرنے کے لیے منعقد کی گئی گرینڈ نیشنل کنونشن میں یہی مطالبہ کیا تھا۔ کنونشن میں اپنی تقریر کے دوران انہوں نے سامعین کے سامنے نیدرلینڈ کی مثال دہرائی کہ کیسے انیسویں صدی کے نصفِ اوّل میں بلجیم کو خود مختاری دینے سے نیدرلینڈ کے انکار کا نتیجہ بلجیم کی علیحدہ و آزاد مملکت کی صورت میں نکلا۔ وزیرِ اعظم لیاقت علی خان کے اس مفروضے، کہ بنگالی ہندو تہذیب کی نمائندگی کرتے ہیں اور مشرقی بنگال مغربی پاکستان سے علیحدہ ہونا چاہتا ہے، کے جواب میں عطاء الرحمن خان نے کہا:

> ”آپ بنگالیوں کو نہیں جانتے۔ یہ کسی کے رعب داب میں آنا پسند نہیں کرتے۔ بنگال نے کبھی بھی پوری طرح نہ پٹالی پترا (پٹنہ) کی چودھراہٹ قبول کی اور نہ دہلی کی۔ اس نے اپنی آزاد و خود مختار حیثیت صدیوں تک برقرار رکھی۔ آج بھی اگر آپ ہمیں علیحدہ ہونے پر مجبور کریں گے، تو ہم علیحدہ ہو جائیں گے۔ بنگال کو کسی کی غلامی منظور نہیں۔“[۸]

---

[۸] ’State Against the Nation: The Decline of the Muslim League in Pre-Independence Bangladesh‘ از احمد کمال

۱۳اپریل ۱۹۵۴ء کو جگتا فرنٹ (متحدہ فرنٹ) نے مشرقی بنگال میں حکومت قائم کی، جس کے وزیرِ اعلیٰ فضل الحق تھے۔ مگر کراچی میں موجود مرکزی حکومت نے اس شکست کو خوش اسلوبی سے قبول نہیں کیا۔ کہا جاتا ہے کہ ۲۳ مئی، ۱۹۵۴ء کو نشر ہونے والے، نیویارک ٹائمز کو دیے گئے انٹرویو میں فضل الحق نے انٹرویو لینے والے صحافی جان ڈی کالاہان سے کہا کہ مشرقی بنگال 'ایک آزاد ریاست بننا چاہتا ہے'۔ ان پر یہ الزام بھی لگایا جاتا ہے کہ انہوں نے کالاہان سے کہا کہ:

''آزادی (کے لیے جدوجہد) وہ پہلا کام ہے جو میری وزارت کرے گی۔''

۳۰ مئی، ۱۹۵۴ء کو فضل الحق کی جانب سے امیریکن ڈیلی کی گزشتہ روز کی نشریات کی سخت و پُرزور تردید کے باوجود، پاکستان کے گورنر جنرل غلام محمد نے فضل الحق کی وزارت ختم کر دی اور مشرقی بنگال کو گورنر راج کے تحت لے آئے[9]۔

بائیں بازو کے چند سرگرم ارکان کے ساتھ مولانا بھاشانی نے مشرقی بنگال کو پاکستان سے علیحدہ کرنے میں مرکزی کردار ادا کیا۔ ان میں سے بعض پاکستان کے مشرقی بازو کو بھارت کے ساتھ ملحق کرنا چاہتے تھے، جبکہ دیگر کی خواہش مشرقی بنگال کو ایک خودمختار اور آزاد ریاست بنانا تھی، جو پاکستان و بھارت ہر دو کے تسلط سے آزاد ہو۔

۱۷ جون، ۱۹۵۵ء کو پلٹن میدان میں ایک عوامی میٹنگ میں مولانا عبدالحمید خان بھاشانی نے پہلی دفعہ علیحدگی کی یہ دھمکی دی۔ بھاشانی ایک مقبول لیڈر تھے جنہوں نے آسام میں مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے پاکستان بنانے کی طویل اور صبر آزما جدوجہد میں بہت مشکلات اور مصائب جھیلے تھے۔ ۱۹۵۷ء میں کاگماری، ٹانگیل میں منعقد ہونے والی مشہور کل پاکستان ثقافتی کانفرنس میں مولانا بھاشانی نے ایک بار پھر مغربی پاکستان کی قیادت کو تنبیہ کی کہ اگر مشرقی بنگال کا استحصال جاری رہا تو ممکن ہے کہ مشرقی پاکستان کی عوام ایک روز پاکستان کو الوداع کہنے پر مجبور ہو جائے۔ انہوں نے 'السلام علیکم مغربی پاکستان!' کہہ کر گویا رسماً الوداع کہہ بھی دیا۔ وہ پہلے مشرقی بنگالی تھے جنہوں نے

---

[9] The Emergence of Bangladesh: Vol 2, Rise of Bengali Nationalism از بدرالدین عمر

اپنے مغربی بازو سے علیحدہ ہونے کا مطالبہ کیا۔ انہیں غالباً اندازہ ہو چکا تھا کہ مشرقی بنگال میں پاکستان کا تصور مردہ ہو گیا ہے۔

مجیب الرحمٰن کا کردار

پاکستان میں مجیب الرحمٰن کو ایک غدار سمجھا جاتا ہے۔ اسے پاکستان توڑنے کا مرکزی مجرم بھی سمجھا اور کہا جاتا ہے۔ جبکہ دوسری طرف بنگلہ دیش میں مجیب کو قومی ہیرو اور قائد گردانا جاتا ہے، بلکہ کئی لوگوں کے نزدیک وہ 'بابائے قوم' کی حیثیت رکھتا ہے۔

مگر ہماری عاجزانہ رائے یہ ہے کہ مجیب کے بارے میں یہ تمام خیالات و آراء اس کے کردار کو مکمل طور پر بیان کرنے سے قاصر ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مجیب ایک ظالم طاغوت تھا۔ بنگلہ دیش میں مسندِ اقتدار پر بیٹھ کر اس نے انسانی ساختہ قوانین اور نظریات کے بل پر حکومت کی۔ ۷۲ء سے ۷۵ء تک، اس نے اور اس کی پارٹی نے ملک پر خوف و دہشت کی حکمرانی قائم کی۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ ۱۹۶۴ء سے لے کر ۱۹۷۱ء کے عرصے تک، وہ بہر لحاظ بنگلہ دیش کا مقبول ترین لیڈر تھا۔ ۱۹۷۰ء کے الیکشن میں منتخب ہونے سے بہت پہلے مشرقی بنگال کی عوام نے اسے اپنا لیڈر منتخب کر لیا تھا۔ مگر پاکستان توڑنے میں واحد ہاتھ مجیب الرحمٰن کا تھا اور نہ ہی وہ اس کا مرکزی مجرم ہے، گو کہ اس نے اس عمل میں ایک نمایاں کردار ضرور ادا کیا۔

تمام سیاستدانوں کی طرح مجیب کو بھی طاقت و اقتدار سے محبت تھی۔ اس کا کردار بیک وقت مشتبہ، دورخہ، نرجسیت کا شکار اور میکاوِلیائی[10] تھا۔ سب سے بڑھ کر یہ تھا کہ وہ اقتدار کی خاطر بیک وقت متکبر و غاصب فطرت پاکستانی جرنیلوں سے لے کر اپنی پارٹی میں موجود باؤلے بنگالی قومیت پرستوں اور آزادی کے حامی عناصر تک، سب کو خوش کرنے اور رکھنے کی کوشش کرتا تھا۔ وہ باہم متضاد صفات کا مجموعہ تھا۔ مگر بنیادی طور پر وہ ایک موقع پرست سیاستدان تھا۔ لہٰذا

[10] اطالوی سیاست دان اور ادیب نکولائی میکیاولی سے نسبت رکھنے والا، جو سیاست و اقتدار کی خاطر ہر قسم کے جائز و ناجائز ہتھکنڈے اپنانے کو روا سمجھتا تھا۔

۱۹۶۰ء سے ۷۱ء تک کے دس سالہ دور میں ہمیں مجیب میں متضاد رجحانات دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ایک طرف وہ ۶۰ء کی دہائی کے آغاز میں پاکستان سے علیحدگی حاصل کرنے کی خاطر سازشی منصوبے تیار کرتا نظر آتا ہے جبکہ دوسری طرف ۱۹۶۹ء کے بعد ہم اسے ایک بے حد مختلف کردار ادا کرتے دیکھتے ہیں۔

مجیب: ایک غدّار

بھارت سے تعلق رکھنے والے ایک بنگالی لکھاری مَنوج باسو کی روایت کے مطابق ۱۹۵۶ء میں شیخ مجیب الرحمٰن نے اس سے بیجنگ میں کہا کہ وہ بالآخر مشرقی پاکستان آزاد کرائے گا"۔ ۱۹۷۲ء میں کلکتہ میں دوبارہ ملاقات کے موقع پر مجیب نے باسو کو بیجنگ میں کہی یہ بات یاد دلائی [۱]، مگر یہاں قاری کے لیے یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ اس دور میں کئی بنگالی سیاستدانوں میں یہ طرزِ فکر عام تھی۔ گزشتہ گفتگو میں ہم اس کی کئی مثالیں پیش کر چکے ہیں۔

۱۹۶۳ء میں مجیب نے مشرقی پاکستان کو بھارت کی مدد سے پاکستان کے بائیں بازو سے علیحدہ کرنے کے خیالی پلاؤ پکاتے ہوئے اگر تلہ (بھارت) کا ایک خفیہ دورہ کیا۔ مجیب کے بھتیجے شیخ شاہد الاسلام کے مطابق، مجیب الرحمٰن کے ساتھ علی رضا بھی اس سازش میں شامل تھا۔ شاچِندرہ لال سنگھ، جو اس وقت بھارتی ریاست تریپورہ کا وزیرِ اعلیٰ تھا، نے بنگلہ دیش کے ایک مشہور و معروف صحافی اور لکھاری فیض احمد کو ۱۹۹۱ء میں دہلی میں ایک دستخط شدہ بیان دیا، جس میں اس نے کہا کہ:

> "۱۹۶۳ء میں شیخ مجیب الرحمٰن، دس افراد کے ساتھ، اگر تلہ میں میرے بنگلے پر آئے۔ مجیب بھائی کی درخواست پر میں اپنے وزیرِ اعظم پنڈت جواہر لال نہرو سے ملا، مگر وہ مجیب الرحمٰن کو تریپورہ سے کسی قسم کا پروپیگنڈہ کرنے کی اجازت دینے پر رضامند نہ ہوئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ چین

---

[۱] Fifty Years of Bangladesh, 1971-2021: Crises of Culture, Development, Governance, and Identity از تاج ہاشمی

[۲] Ek Abhijukter Bayane Agartala Mamla (اگر تلہ معاملے پر ایک ملزم کا بیان) از محفوظ الباری

سے جنگ کے بعد وہ (نہرو) اتنا بڑا خطرہ مول لینے پر تیار نہ تھے۔ لہٰذا ۱۵۱ دن ٹھہرنے کے بعد وہ (مجیب) تریپورہ سے چلے گئے۔''[۱۳]

ان دلائل سے واضح ہوتا ہے کہ ۱۹۶۳ء میں مجیب بھارتی امداد کے ساتھ مشرقی پاکستان کو علیحدہ کرنا چاہتا تھا۔ مگر نہرو کو اس منصوبے میں خطرے کا عنصر بہت بڑھا ہوا محسوس ہوا۔ مجیب کی معاشی اور فوجی امداد کرنے میں نہرو کے تامل نے مجیب کی حوصلہ شکنی کی۔ اس کے باوجود مجیب مقامی ہندو علیحدگی پسندوں سے رابطے میں رہا، بالخصوص چِتار نجن سوتر سے، جس کی خواہش و ارادہ مشرقی پاکستان میں سے چار پانچ اضلاع کو 'سوادھن بنگا بھومی' (یعنی خود مختار ہندو علاقے) کے طور پر آزاد کرانا تھا۔ مزید بر آں مجیب نے ڈھاکہ میں موجود بھارتی کاروباری شخصیتوں اور بھارتی قونصلیٹ سے بھی روابط بر قرار رکھے۔

ان حقائق کا انکار کرنا ممکن نہیں۔ مگر اس کہانی کا ایک دوسرا رخ بھی ہے۔

مجیب: ایک محبِ وطن

کہا جاتا ہے کہ ۱۹۶۶ء میں عوامی لیگ اور دیگر بنگالی پارٹیوں کی جانب سے پیش کیا جانے والا چھ نکاتی مطالبات کا چارٹر اپنی فطرت و اساس کے اعتبار سے علیحدگی پسندانہ تھا۔ ایوب خان اور بھٹو سمیت مغربی پاکستان کے تقریباً تمام سیاستدانوں نے اس پر شدید تنقید اور نکتہ چینی کرتے ہوئے اسے قوم مخالف اور علیحدگی پسند قرار دیا۔ مگر ان کے برعکس مجیب نے ہمیشہ یہ دعویٰ کیا کہ اس کے چھ نکاتی مطالبات اپنی فطرت میں علیحدگی پسندانہ نہیں تھے۔ علاوہ ازیں، وہ ان مطالبات میں ترمیم و تخویف اور ردوبدل کرنے پر بھی تیار تھا۔

مئی ۱۹۶۶ء میں حکومت نے مجیب کو یہ 'علیحدگی پسندانہ' چھ نکات پیش کرنے پر گرفتار کر لیا، اور اس کے کچھ ہی عرصہ بعد اسے اگرتلہ سازش کے معاملے میں ملزم قرار دے دیا۔ ۱۹۵۸ء سے ۱۹۶۵ء کے دوران وہ متعدد بار جیل گیا اور

[۱۳] The Emergence of Bangladesh: Vol 2, Rise of Bengali Nationalism از بدرالدین عمر

۲۲ فروری ۱۹۶۹ء تک مجیب نے طویل عرصہ جیل میں گزارا، بعض دفعہ چند دنوں کے لیے اور بعض دفعہ سالوں کے حساب سے۔

مگر مجیب کے چھ نکات کے خلاف پاکستان حکومت کی اس درشت انتقامی کارروائی کا نتیجہ بالآخر ان کی خواہشات و توقعات کے برعکس نکلا۔ مجیب پہلے سے بھی زیادہ مقبول ہو گیا۔ ۱۹۶۹ء کے آغاز میں ۱۷ جنوری کو ڈھاکہ یونیورسٹی کے طلبہ نے ایک تحریک کا آغاز کیا جس کا مطالبہ اگر تلہ سازش کے مقدمے کو واپس لینا تھا۔ یہ تحریک بالآخر ایوب خان کو مجبور کرنے میں کامیاب ہو گئی اور اس مقدمے کے تمام ملزمان، بشمول شیخ مجیب الرحمٰن کو رہا کر دیا گیا۔

رہائی کے بعد شیخ مجیب الرحمٰن نے علیحدگی یا آزاد بنگلہ دیش کے حوالے سے کوئی بات نہیں کی۔ بلکہ معاملہ اس کے برعکس تھا، ۱۳ مارچ ۱۹۶۹ء کو اسلام آباد میں ایک نجی عشائیے کے دوران، مجیب نے ایوب خان کو ذاتی طور پر یقین دہانی کرائی کہ اس کے چھ نکات پاکستان کو متحد و متفق اور مضبوط بنانے میں معاون ثابت ہوں گے بلکہ اس کو یقینی بنائیں گے۔ مجیب کے نائب مودود احمد بھی اس موقع پر موجود تھے، انہوں نے بعد ازاں بتایا کہ:

> ”مجیب اس عشائیے کے بعد بہت خوش اور مطمئن نظر آ رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ شاید فوج کو معاملے کی حساسیت و نزاکت اور سنجیدگی کا احساس ہو گیا ہے، اور وہ پاکستان کی حفاظت (عوام کی) رضامندی کے ساتھ کرنا چاہتے ہیں نہ کہ بزورِ قوت۔“[۱۴]

اسلام آباد سے مجیب کی مشرقی پاکستان واپسی کے فوراً بعد عوامی لیگ نے ۱۹۶۲ء کے دستور میں ترمیمی بل کا مسودہ تیار کیا، جس میں دیگر چیزوں کے ساتھ، ان نکات پر بھی اتفاق کیا گیا کہ:

- ملک کا نام 'اسلامی جمہوریہ پاکستان' برقرار رکھا جائے گا۔

---

[۱۴] Bangladesh: Constitutional Quest for Autonomy از مودود احمد

- مملکت کے صدر کے لیے مسلمان ہونے کی شق کو برقرار رکھا جائے گا جیسا کہ ۱۹۶۲ء کے دستور میں کہا گیا۔
- ملک میں ایک ہی کرنسی جاری رکھی جائے گی۔[۱۵]

اس مسودے میں سیکولرازم یا علیحدگی کے بارے میں کوئی نقطہ شامل نہیں تھا۔

بعد ازاں مجیب نے یحییٰ خان کے لیگل فریم ورک آرڈر (جس میں پاکستان کو یکجا و متحد رکھنے کی شرط رکھی گئی تھی) کی پاسداری کرنے کا وعدہ کرتے ہوئے ۱۹۷۰ء کے پارلیمانی الیکشن میں بھی شرکت کی تاکہ آئین کا مسودہ تیار کیا جا سکے۔ ۱۹۷۰ء کی الیکشن کمپین کے دوران بھی مجیب یا عوامی لیگ نے بنگلہ دیش کی آزادی کی بات نہیں اٹھائی۔ لہٰذا یہ دعویٰ کرنا درست نہیں کہ مجیب کا مقصد و ہدف پاکستان کو دولخت کرنا تھا اور اس کے چھ نکات بالآخر پاکستان توڑنے کا سبب بنے۔

۱۹۷۰ء کے الیکشن میں عوامی لیگ بھاری اکثریت کے ساتھ جیت گئی۔ یہ وہ وقت تھا جب مجیب متحدہ پاکستان کا وزیرِ اعظم بننے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے تھا۔ اگرچہ اس نے ۶۰ء کی دہائی کے شروع میں مشرقی پاکستان کو اس کے مغربی بازو سے علیحدہ کرنے کی بھرپور کوشش کی تھی، مگر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ۱۹۶۳ء میں نہرو کی سرد مہری نے مجیب کو اپنی فکر تبدیل کرنے پر مجبور کر دیا۔ پھر ۱۹۶۳ء سے ۱۹۷۱ء کے عرصے میں بنگلہ دیش کی مکمل آزادی کے بارے میں بھی اس کا موقف نرم پڑ گیا۔ اور دسمبر ۱۹۷۰ء میں پاکستان کے قومی الیکشن جیتنے کے بعد اسے کوئی ضرورت نہ تھی کہ وہ مغربی پاکستان سے علیحدگی حاصل کرنے کے لیے جنگ اور مار دھاڑ کا مشکل اور دشوار گزار راستہ اپناتا۔ اس کے پاس پاکستان کا اگلا وزیرِ اعظم بننے کی توقع کرنے کی بے حد جائز وجوہات تھیں۔ ازلی موقع پرست مجیب الرحمٰن کی تمام تر کوششوں کا محور اپنے آپ کو متحدہ پاکستان کے مستقبل کے وزیرِ اعظم کے روپ میں دیکھنا تھا۔ پھر

[۱۵] ایضاً

صدر یحییٰ خان نے الیکشن کے بعد ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان کے اپنے پہلے دورے میں، ڈھاکہ میں بر سرِ عام مجیب الرحمٰن کا تذکرہ 'پاکستان کے مستقبل کے وزیرِ اعظم' کے طور پر کیا۔

امریکی سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کی ایک خفیہ ڈاکومنٹ میں یہ اشارہ موجود ہے کہ مجیب اور یحییٰ خان کے درمیان ایک ڈیل طے پا گئی تھی جس کے مطابق یحییٰ خان پاکستان کا صدر، جبکہ مجیب الرحمٰن اس کا وزیرِ اعظم ہو گا[۱۶]۔ ان دونوں کے درمیان مفاہمت اتنی اچھی تھی کہ مجیب یحییٰ کو اپنی قیادت میں عوامی لیگ کی حکومت میں بطور صدر برقرار رکھنا چاہتا تھا۔ سب سے دلچسپ بات یہ ہے کہ آرچر بلَڈ (۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان میں امریکہ کا قونصل جنرل) ۲۹ جنوری ۱۹۷۱ء کو امریکی سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کو بھیجے گئے اپنے طویل خفیہ خط میں لکھتا ہے کہ عوامی لیگ کی حکومت میں ممکنہ افسران کی فہرست میں مندرجہ ذیل افراد انتظامیہ کے اہم عہدوں کے حامل ہوں گے[۱۷]:

عہدہ	نام
وزیرِ اعظم	شیخ مجیب الرحمٰن
صدر	اے۔ ایم یحییٰ خان
سپیکر نیشنل اسمبلی	ظہیر الدین احمد (عوامی لیگ ایم این اے)
وزیرِ خارجہ	ڈاکٹر کمال حسین (عوامی لیگ ایم این اے)
اہم وزارت	سید نذر الاسلام (عوامی لیگ ایم این اے)
وزیرِ مالیات یا چیف برائے معاشی منصوبہ بندی	رحمٰن سبحان، (ڈھاکہ یونیورسٹی میں بائیں بازو کے ماہرِ اقتصادیات)
وزیرِ کامرس	مطیع الرحمٰن یا ایم آر صدیقی (دونوں عوامی لیگ کے ایم این ایز)

---

[۱۶] Department of State, Airgram, Confidential, From Archer Blood, US Consul General, Dacca, January 29, 1971, The American Papers: Secret and Confidential, India-Pakistan-Bangladesh Documents 1965–1973, Compiled and Selected by Roedad Khan

[۱۷] ایضاً

اس تمام منصوبے کو خراب کرنے والے ذوالفقار علی بھٹو اور وہ پاکستانی جرنیل تھے جنہوں نے مارچ ۱۹۷۱ء یا کسی بھی دوسرے وقت میں مجیب کو اقتدار و اختیار منتقل کرنے سے انکار کر دیا۔ ان کے لیے یہ تصور ہی محال تھا کہ ایک بنگالی پاکستان کا لیڈر بن جائے۔ ۲۸ فروری ۱۹۷۱ء کو یحیٰی خان نے ذوالفقار علی بھٹو کی پیپلز پارٹی کے دباؤ میں آکر مارچ میں ہونے والی نیشنل اسمبلی کی میٹنگ ملتوی کر دی۔ یہ میٹنگ ملتوی کرنے کا مقصد یہ تھا کہ مجیب اور بھٹو کو پاکستان کی حکومت کا ڈھانچہ بنانے کے لیے کسی اتفاقِ رائے پر لایا جاسکے۔

یکم مارچ کو یحیٰی کی تقریر کے بعد ڈھاکہ یونیورسٹی کے طلبہ کی جانب سے مجیب پر شدید دباؤ ڈالا گیا کہ وہ آزادی کا اعلان کر دے۔ مگر یہ کہنے کے بجائے کہ وہ ایک آزاد و خود مختار بنگلہ دیش چاہتا ہے، مجیب نے یحیٰی سے اپنی درج ذیل چار شرائط پوری کرنے کا مطالبہ کیا۔

> ''مارشل لاء کا فوری خاتمہ، فوج کی بیرکوں میں واپسی، فوجی مداخلت کے سبب ہونے والے جانی نقصان کی منصفانہ تحقیق اور قوت و اقتدار کی (مجیب کی جانب) فوری منتقلی، یعنی اسمبلی کے ملنے اور آئینی ڈھانچہ تیار کرنے سے پہلے، (یہ شرائط پوری کی جائیں)۔''[۱۸]

اس کے علاوہ بھی بہت سے ایسے شواہد موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اس موقع پر مجیب کا ہدف و مقصد پاکستان کو دولخت کرنا نہیں، بلکہ ایک متحدہ پاکستان کا وزیرِ اعظم بننا تھا۔ آیئے ان شواہد پر ایک مختصر نظر ڈالتے ہیں۔

صدر یحیٰی خان کی تقریر، جس میں اس نے نیشنل اسمبلی کے پہلے سیشن کو ملتوی کرنے کا اعلان کیا، مشرقی پاکستان کے طول و عرض میں انتہائی تند و تیز عوامی ردّ عمل کا سبب بنی۔ ۷ مارچ ۱۹۷۱ء کو مجیب کی تقریر اسی عوامی ردّ عمل کا نتیجہ تھی اور اگرچہ اس میں بہت سے مبہم اشارے کیے گئے، اس کے باوجود یہ آزادی یا خود مختاری کا اعلان نہیں تھی۔

---

[۱۸] The Last Days of United Pakisan از جی ڈبلیو چودھری

۷ مارچ کو مجیب نے یحییٰ حکومت کے خلاف ایک پر امن اور غیر متشدد تحریکِ عدم تعاون کا آغاز کیا۔ اس نے یہ الفاظ ادا کیے:

"اس بار ہم نجات حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں۔ اس بار ہم آزادی کی جدوجہد کر رہے ہیں۔"

تاہم مجیب نے ۷ مارچ کی اس تاریخی تقریر کا اختتام دو نعروں پر کیا: "جے بنگلہ!" اور "جے پاکستان!"۔ اس امر کی تصدیق و توثیق بہت سے افراد نے کی ہے جن میں ایئر وائس مارشل اے کے خوندکر، شاعر شمس الرحمٰن، صحافی نیر مل سن، ڈاکٹر ظفر اللہ چودھری اور دیگر حضرات شامل ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مجیب الرحمٰن نے اپنی تقریر کا خاتمہ پاکستان اور بنگلہ دیش، دونوں کے جیتنے کی تمنا پر کیا[۱۹]۔

مارچ ۱۹۷۱ء میں مجیب نے پاکستان میں موجود امریکی سفیر (فارلینڈ) سے درخواست کی کہ وہ اپنا اثر و رسوخ استعمال کرتے ہوئے یحییٰ خان پر دباؤ ڈالے کہ وہ طاقت و اقتدار مجیب کو منتقل کرنے پر تیار ہو جائے۔ اور اگر یہ نہ ہو سکے تو پھر اس (یعنی مجیب) کی زندگی اس کی پارٹی میں موجود علیحدگی پسندوں سے بچانے کے لیے اسے اپنی تحویل میں لے لے۔ کہا جاتا ہے کہ مجیب نے اوائل مارچ میں امریکی سفیر فارلینڈ سے کہا کہ وہ ایک آزاد و خود مختار بنگلہ دیش نہیں بنانا چاہتا، بلکہ بنگالیوں کے لیے ایک وفاقی پاکستان (فیڈریشن آف پاکستان) بنانا چاہتا ہے، جس میں وہ برابر شہریوں کی طرح عزت سے رہ سکیں نا کہ کسی کالونی یا نو آبادی میں بسنے والے محکوم لوگوں کی مانند۔[20]

حتیٰ کہ ۲۵ مارچ ۱۹۷۱ء کو پاکستان کی جانب سے سخت بہیمانہ فوجی ایکشن کے آغاز سے عین پہلے بھی مجیب کی طرف سے پاکستان اور بنگلہ دیش کے حوالے سے اس کے اصل عزائم کے بارے میں ملے جلے اشارے مل رہے تھے۔ ۲۴ مارچ

---

[۱۹] 1971: Bhetore Baire, Prothoma Prakashan از اے کے خوندکر، "7 Marcher Bhashon Ebong Sirajul Alam Khan" از ظفر اللہ چودھری، (۷ مارچ کی تقریر اور سراج العالم خان) (Bengali Daily) Noya Diganta (۷ اپریل ۲۰۱۸ء)

[20] The Last Days of United Pakistan از جی ڈبلیو چودھری

کو پریس کو دیے گئے بیان میں سہ فریقی مذاکرات (جو مجیب، یحییٰ اور بھٹو کے درمیان جاری تھے) کے آگے بڑھنے میں امید کا اظہار کرنا، مجیب کے خلوص اور امیدوں کو ظاہر کرتا ہے کہ فوجی انتظامیہ سے اقتدار کی سِوِل انتظامیہ کو منتقلی کا ایک پر امن حل نکالا جا سکتا ہے۔ اس کی یہ امید تب بھی قائم تھی کہ وہ ایک متحدہ پاکستان کا وزیرِ اعظم بننے میں کامیاب ہو جائے گا۔

جبکہ دوسری جانب اس نے اپنے قریبی لوگوں کو ڈھاکہ سے نکلنے کو کہا، اور یک طرفہ اعلانِ آزادی کرنے سے انکار کر دیا۔ ممکنہ طور پر وہ اب بھی یہی سوچ رہا تھا کہ اسلام آباد کے ساتھ متحدہ پاکستان کے تحت اس کے دونوں بازوؤں کے مابین کسی سمجھوتے پر پہنچا جا سکتا ہے۔

حتیٰ کہ مجیب نے تاج الدین احمد کے تیار کردہ مسودے پر دستخط کرنے سے بھی انکار کر دیا اور ۲۵ مارچ کو آزادی کا اعلان ریکارڈ کروانے سے بھی، کیونکہ مجیب کو پاکستان کی جانب سے غداری کے مقدمات کا سامنا کرنے کا خوف تھا۔ تاج الدین نے مجیب سے آزادی کے اعلان پر دستخط کرنے یا آزادی کا اعلان ریکارڈ کروانے کا مطالبہ کیا، اور اپنے ساتھ کسی محفوظ مقام پر چلنے کو کہا، مگر مجیب نے صرف یہی جواب دیا کہ:

"گھر جاؤ اور آرام سے سو جاؤ، میں نے ۲۷ مارچ کو عام ہڑتال کا اعلان کر دیا ہے۔"[21]

دلچسپ بات یہ ہے کہ کہا جاتا ہے کہ مجیب نے بنگلہ دیش بنانے کا الزام تاج الدین کے سر ڈالا۔ ۱۰ جنوری ۱۹۷۲ء کو پاکستان سے ڈھاکہ ائیرپورٹ پہنچنے کے فوراً بعد، مجیب الرحمٰن نے تاج الدین سے کہا:

"تاج الدین! آخر تم لوگوں نے پاکستان توڑ ہی دیا!"[22]

[21] Tajuddin Ahmed: Neta O Pita (تاج الدین احمد: قائد اور باپ) از شرمین احمد

[22] Bangladesh: Sheikh Mujib's Stance on "Independent Bangladesh": Sensational Revelations! از آر۔ چودھری

میجر جنرل خادم حسین راجہ (جو کہ اس وقت مشرقی پاکستان میں جنرل آفیسر کمانڈ تھا) بھی یہی رائے رکھتا ہے کہ مجیب ایک خود مختار بنگلہ دیش کے حق میں نہ تھا۔ مجیب نے میجر جنرل راجہ (جی او سی، 14th ڈویژن پاکستان آرمی، ڈھاکہ) کی طرف ۶ اور ۷ مارچ کو اس درخواست کے ساتھ قاصد بھیجے کہ اس کی زندگی بچانے کے لیے اسے حفاظتی تحویل میں لے لیا جائے۔ خادم حسین راجہ لکھتا ہے:

"۶ مارچ کی سہ پہر کو ایک بنگالی جنٹلمین میری رہائشگاہ پر تشریف لائے اور مجھ سے ملنے کی درخواست کی۔ انہوں نے کہا کہ وہ مجیب کے ایک قریبی معتمد ہیں اور مجیب نے انہیں مجھ سے ایک گزارش کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ شیخ مجیب کا پیغام مختصراً یہ تھا کہ وہ اپنی پارٹی میں موجود شدت پسندوں اور طلبہ لیڈروں کی جانب سے شدید دباؤ کا شکار ہیں اور ان کا مطالبہ یہ ہے کہ ۷ مارچ کے عوامی خطاب میں یک طرفہ طور پر آزادی کا اعلان کر دیں۔ شیخ مجیب کا دعویٰ تھا کہ وہ ایک محب وطن ہیں اور پاکستان توڑنے میں کوئی کردار ادا کرنا نہیں چاہتے۔ لہٰذا وہ چاہتے تھے کہ میں انہیں اپنی حفاظتی تحویل میں لے لوں اور انہیں کینٹ کی حدود تک محدود کر دوں۔ اس کے لیے وہ چاہتے تھے کہ میں انہیں ان کی دھانمنڈی رہائش سے لانے کے لیے ایک فوجی دستہ روانہ کروں۔"[۲۳]

لیکن مجیب کی یہ درخواست رد کر دی گئی۔ جنرل راجہ کے مطابق شیخ مجیب نے پھر بھی ہار نہ مانی۔ انہوں نے ۷ مارچ کو رات کے دو بجے پھر دو قاصد بھیجے جنہوں نے دوبارہ یہی التجا کی۔ مجیب پاکستانی فوج کی حفاظتی تحویل میں آنا چاہتا تھا۔ مجیب کی اس خواہش کی تصدیق پاک فوج کے ایک دوسرے افسر کے بیان سے بھی ہوتی ہے جس نے جنرل راجہ اور امریکی سفیر فارلینڈ کے بیانات کی بھی تصدیق کی۔[۲۴]

---

[۲۳] A Stranger in My Own Country, East Pakistan, 1969-1971 از میجر جنرل (ریٹائرڈ) خادم حسین راجہ

[۲۴] میں نے ڈھاکہ ڈوبتے دیکھا از صدیق سالک

ایک پاکستانی خفیہ پولیس انسپکٹر راجہ انار خان، جس نے مجیب کی پاکستان میں گرفتاری کے دنوں میں مجیب کے باورچی اور ذاتی خدمتگار کا کردار ادا کیا، نے مجیب اور بھٹو کے درمیان ہونے والی گفتگو کے بارے میں دلچسپ معلومات فراہم کیں۔ بنگلہ دیش بننے کے کچھ ہی عرصہ بعد بھٹو مجیب سے ملنے کے لیے آیا تو مجیب اپنی گرفتاری کے دوران ہونے والے واقعات سے قطعی بے خبر تھا۔ ۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ء کو بھٹو کی زبانی یہ سن کر کہ مشرقی پاکستان کے سقوط اور بھارت کے سامنے ہتھیار ڈالنے کے بعد وہ (بھٹو) صدرِ پاکستان اور چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر بن چکا ہے، وہ حیرت زدہ رہ گیا اور اس نے کہا:

> ”تم صدر کیسے بن سکتے ہو؟ اکثریتی پارٹی کا لیڈر ہونے کی حیثیت سے صدر بننے کا حق میرا ہے، تمہارا نہیں...... مجھے فوراً کسی ریڈیو یا ٹی وی سٹیشن پر لے کر جاؤ تا کہ میں مشرقی پاکستان کو (پچھلی حیثیت میں) بحال کروں اور سب کچھ ٹھیک کروں......“[۲۵]

ان شواہد سے ثابت ہوتا ہے کہ مجیب الرحمٰن ایک خود مختار مشرقی بنگال یا بنگلہ دیش بنانے، کہ جس کا عَلَم لیے عوامی لیگ کے بہت سے علیحدگی پسند رہنما اور سٹوڈنٹ لیڈر کھڑے تھے، کے لیے نصرت و حمایت فراہم کرنے سے زیادہ ایک متحدہ پاکستان کا وزیرِ اعظم بننے میں دلچسپی رکھتا تھا۔ تاہم اس کھیل میں اور بھی کھلاڑی موجود تھے جنہوں نے کھیل کا پورا نقشہ ہی تبدیل کر دیا۔

سراج اور نیوکلیئس

مجیب الرحمٰن کی قید اور گرفتاری کے عرصے (۱۹۶۶ء تا ۱۹۶۹ء) میں، بنگالی نوجوانوں اور طلبہ نے مشرقی پاکستان میں سیاسی میدان پر فی الحقیقت مکمل قبضہ جما لیا۔ ۱۹۶۹ء میں سراج العالم خان، اے ایس ایم عبد الرب اور دیگر کی اقتدا میں عوامی لیگ کے طلبہ وِنگ میں بائیں بازو سے تعلق رکھنے والے اور بنگلہ دیش (بنانے) کے حامی نوجوانوں کی انتہائی تیز رفتار اٹھان نے سٹوڈنٹ لیگ کے ممبران کی اکثریت کو مسحور کر دیا۔ اس دوران جبکہ مجیب جیل میں تھا، ان

[۲۵] دنیا نیوز، ٹاک شو 'نقطۂ نظر'، ۱۶ دسمبر ۲۰۱۵ء

سٹوڈنٹ لیڈروں نے ایک مکمل طور پر خود مختار اور آزاد بنگلہ دیش کے لیے نہ صرف عوامی حمایت حاصل کی بلکہ اس تحریک کو منظّم اور فعال بھی کیا، اور ۱۹۶۹ء کے اوائل سے ہی وہ مشرقی پاکستان یا بالفاظِ دیگر بنگلہ دیش کے لیے کھلے عام آزادی کا مطالبہ کرنے لگے۔ ۱۹۷۰ء کے نیشنل اسمبلی کے الیکشن میں عوامی لیگ کی زبردست کامیابی میں بھی انہوں نے ناگزیر کردار ادا کیا۔

یہ تمام صورتحال پیدا کرنے اور بنانے میں ایک نہایت اہم کردار سراج العالم خان کی پر اسرار شخصیت کا تھا۔ سراج ایک پکّا لیفٹسٹ (بائیں بازو کے نظریات کا حامی) تھا جو قصداً عوامی توجہ اور نگاہوں سے دور رہتا تھا۔ وہ جلد ہی مجیب کی حامی سٹوڈنٹ لیگ کے چوٹی کے قائدین میں شامل ہو گیا اور دیگر سٹوڈنٹ لیڈر اسے 'دادا' یا 'بڑے بھائی' کے لقب سے جاننے پہچاننے لگے۔

اگرچہ وہ چھاترا لیگ کا ایک اہم رکن تھا اور مجیب کا قریبی معتمد بھی، مگر سراج نے اپنا ایک خفیہ سیل، المعروف 'نیو کلیئس' بھی قائم کر رکھا تھا۔ ۱۹۶۰ء کی دہائی کے آغاز سے ہی، یہ 'نیو کلیئس' خفیہ طور پر بنگالی طلبہ کو بھرتی کرتا، ان کی فکری تربیت کرتا اور مشرقی پاکستان میں جاری علیحدگی پسند تحریک کے مرکزی اراکین کے طور پر تیار کرتا۔ سن ۱۹۶۹ء کے لگ بھگ اس نیو کلیئس کے ارکان نے انتہا پسند بنگالی قوم پرستی اور 'سائنسی سوشلزم' کے نظریات کی تائید کرنا شروع کر دی۔

یہ نیو کلیئس ہی تھا جس نے بنگلہ دیش کے قومی پرچم کا ڈیزائن تیار کیا، اسے سب سے پہلے بلند کیا، ٹیگور کے 'امار سونار بانگلہ' کو بطور قومی ترانہ منتخب کیا اور 'پاکستان زندہ باد' کی جگہ 'جے بنگلہ' کا نعرہ لگایا۔ جنگ کے دوران سراج اور اس کے ساتھی بھارتی حکومت اور جرنیلوں کے بے حد قریب رہے، جنہوں نے آزادی کے لیے جدوجہد کرنے والوں میں سے چن چن کر ایسے افراد تیار کیے جنہیں بعد ازاں 'مجیب باہنی' کا رکن بننا تھا[۲۶]۔ بھارتی ایجنٹ چِتار نجن سُوتر (جس کا ذکر

[۲۶] 'مجیب باہنی' بنگال کی آزادی کی جدوجہد کرنے والوں (جو کہ بنگال لبریشن فورس کے نام سے جانے جاتے تھے) پر مشتمل ایک خاص دستہ تھا جسے باغیوں اور انقلابیوں سے نبٹنے میں مہارت رکھنے والے، بھارتی 'را' کے میجر جنرل سوجن سنگھ ابان نے سراج العالم خان، (مجیب کے بھانجے) شیخ فضل الحق مونی اور طفیل احمد کی مدد اور تعاون سے تیار کیا۔ بنگلہ دیش کے حریّت پسندوں کے چیف جنرل ایم اے جی عثمانی کو اس

پہلے گزر چکا ہے) کے ساتھ بھی سراج کے بے حد قریبی تعلقات تھے۔ بنگلہ دیش کی پیدائش کے بعد بھی سراج اکثر سوتر سے ملنے کلکتہ جاتا اور اس کے پاس قیام کرتا۔ ۱۹۷۵ء میں جس روز مجیب کو قتل کیا گیا، تب بھی سراج سُوتر کی کلکتہ رہائش گاہ میں موجود تھا۔ سراج اس امر کی تصدیق کرتا ہے کہ مجیب ۱۹۶۹ء کے اوائل میں جیل سے اپنی رہائی تک نیوکلیئس کے مقاصد و اہداف سے واقف نہیں تھا۔ مزید برآں، وہ یہ بھی کہتا ہے کہ مجیب 'جے بنگلہ' کے خلاف تھا اور بنگلہ دیش کے لیے ایک قومی پرچم بنانے پر بھی اس کے تحفظات تھے[۲۷]۔

بہر کیف، باوجود اس کے کہ مجیب سراج اور اس کے انتہاپسند 'قومی سوشلسٹوں' سے کثرتِ رائے کی بنیاد پر شکست کھا گیا، وہ ان کے دباؤ میں نہیں آیا اور آزادی کا یک طرفہ اعلان کرنے سے بچنے میں کامیاب رہا۔ درحقیقت اس نے اپنی ذہانت سے ان سب کو مات کیا۔ مجیب لوگوں کو وہی بات بتانے میں ماہر تھا جو وہ اس سے سننا چاہتے تھے یا سننے کی توقع رکھتے تھے۔ اس نے ان پاکستانیوں کے سامنے جو پاکستان توڑنے کے خلاف تھے خود کو ایک وفادار و محبِ وطن پاکستانی کی صورت پیش کیا۔ جبکہ اپنی پارٹی میں موجود بنگلہ دیش کے حامی انتہاپسند عناصر کے سامنے وہ اکثر ایک کٹر بنگالی قوم پرست کا کردار ادا کیا کرتا تھا۔

بھٹو

۱۹۷۱ء کے واقعات کی ذمہ دار، ایک اور کلیدی شخصیت ذوالفقار علی بھٹو کی تھی۔ راقم کی عاجزانہ رائے کے مطابق سقوطِ ڈھاکہ کی ذمہ داری مجیب کی نسبت کہیں زیادہ پاکستان کی فوجی قیادت اور بھٹو پر عائد ہوتی ہے۔

گروہ کی تشکیل اور اس کے مقاصد و اہداف کے بارے میں کوئی خبر نہیں تھی۔ اس کی تشکیل جون ۱۹۷۱ء میں بھارت میں ہوئی۔ یہ مضبوط سیاسی اہداف و عزائم رکھتی تھی اور اس کی وفاداریاں مکمل طور پر مجیب کے ساتھ وابستہ تھیں۔ جنرل ابان نے بنگلہ دیشی حریّت پسندوں میں موجود مجیب مخالف عناصر کا تدارک کرنے کے لیے اسے تشکیل دیا۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: "The irregular forces of Bangladesh Liberation War", Daily Star, March 26, 2020 از میجر جنرل سرور حسین۔

[۲۷] Sirajul Alam Khan, Ami Sirajul Alam Khan: Ekti Rajnoitik Jibanalekhya (یہ سراج العالم خان ہے: ایک سیاسی سوانح حیات) تدوین و تالیف: شمس الدین پیارا

۱۹۷۰ء کے الیکشن میں بھٹو کی پارٹی کو ۸۸ سیٹیں ملیں، جبکہ عوامی لیگ کو ۱۶۰۔ اس کے باوجود بھٹو اور غاصب فطرت پاکستانی جرنیلوں نے مارچ ۱۹۷۱ء یا اس کے بعد کسی بھی دوسرے وقت میں مجیب کو طاقت و اقتدار منتقل کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ وہ بنیادی سبب تھا جس کے بعد حالات و واقعات از خود بھارت کے اصل منصوبے، یعنی تیز رفتار فوجی ایکشن کے ذریعے پاکستان کو دولخت کرنے، کی طرف بڑھنے لگے۔ انہی حالات سے مجبور ہو کر پاکستان نے ۳ دسمبر کو بھارت کے خلاف اعلانِ جنگ کیا، اور پھر جو ہوا وہ تاریخ کا حصّہ ہے۔

یہی وہ اسباب تھے جن کے باعث یحییٰ نے مجیب اور نیشنل اسمبلی کو اقتدار کی منتقلی کو ملتوی کیا۔ وہ چاہتا تھا کہ پاکستان کی اگلی حکومت قائم کرنے کے لیے مجیب اور بھٹو کو کسی اتفاقِ رائے پر لایا جا سکے۔ مگر جب التوا کی یہ خبر یکم مارچ ۱۹۷۱ء کو ریڈیو سے نشر کی گئی تو اس کا فوری نتیجہ چھاترا لیگ (عوامی لیگ کا طلبہ فرنٹ) کے سڑکوں پر نکل آنے کی صورت میں نکلا۔

۱۹۷۸ء میں ضیاء الحق کی طرف سے اپنی نظر بندی ختم کیے جانے پر یحییٰ خان نے ایک خفیہ بیان حلفی لاہور ہائی کورٹ میں جمع کروایا جس میں اس نے پاکستان توڑنے کا ذمہ دار مجیب کو نہیں، بلکہ بھٹو کو قرار دیا:

> "پاکستان کو دولخت کرنے والا مجیب نہیں، بلکہ بھٹو تھا۔ ۱۹۷۱ء میں بھٹو کے موقف اور اس کی ہٹ دھرمی نے پاکستان کی یکجہتی کو شیخ مجیب کے چھ نکاتی مطالبے سے کہیں زیادہ نقصان پہنچایا۔ یہ اس کی جاہ طلبی اور اس کا بے لچک موقف تھا جس کی وجہ سے مشرقی پاکستان میں بغاوت اٹھی۔ اس نے بنگالیوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کی اور پاکستان کی یکجہتی ختم کر ڈالی۔ مشرقی پاکستان ٹوٹ کر علیحدہ ہو گیا۔"[۲۸]

---

[۲۸] Creation of Bangladesh: Myths Exploded ("Affidavit of General (ret) Agha Muhammad Yahya Khan, In The Lahore High Court, Lahore, 29th May 1978", Annexture-10.) از جنید احمد

یحییٰ خان نے اپنے اس بیان میں کہا کہ اسے پاکستانی جرنیلوں نے 'شطرنج کی بساط پر مہرے کی طرح استعمال کیا'۔ ۱۹۷۱ء کے آغاز سے لے کر دسمبر ۱۹۷۱ء میں بھٹو کی طرف سے ہٹائے جانے تک، اسے مشرقی پاکستان کے مستقبل کی بابت کسی کے ساتھ کوئی مصالحتی گفت وشنید کرنے کا کوئی اختیار حاصل نہیں تھا۔

مجیب پاکستان کو دو ٹکڑوں میں بٹنے کے عمل سے بچانے میں ناکام رہا جبکہ بھٹو عمداً و قصداً اسی عمل کی رفتار بڑھاتا رہا۔ مجیب اس لیے ناکام ہوا کیونکہ وہ اپنی انتہا پسند قوم پرست نوجوان قوّت کو قابو میں نہ رکھ سکا، اور بھٹو اس لیے کامیاب ہوا کیونکہ پاکستان کے حاکم طبقے، جس کی وہ نمائندگی کرتا تھا، کے نسلی واستعماری عزائم کے لیے یہی تدبیر کارگر تھی۔ پاکستان کو حسبِ سابق ایک مضبوط مرکزی حکومت کے تحت ہی رہنا تھا جس میں مشرقی پاکستان کو محض ایک منڈی کی حیثیت سے استعمال کیا جاتا، اور اگر ایسا ممکن نہ ہوتا تو اسے ٹوٹنا ہی تھا۔ ان دو کے مابین ان کے نزدیک تیسرا کوئی راستہ نہ تھا۔[۲۹]

سو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مارچ ۱۹۷۱ء میں یہ مجیب نہیں بلکہ بھٹو اور باؤلے پن کی حد تک بنگالیوں کے مخالف پاکستانی جرنیل، اور تاج الدین اور سراج العالم خان کے پیروکار تھے جنہوں نے پاکستان توڑنے میں اپنا اپنا حصّہ ڈالا۔ اس عمل میں بعض بیرونی عوامل بھی کارفرما تھے، جیسے سوویت یونین اور بھارت جنہوں نے فیصلہ کن کردار ادا کیا۔

[۲۹] Bangladesh: Constitutional Quest for Autonomy از مودود احمد

ذمہ دار کون؟

جیسا کہ قاری کے لیے واضح ہے، ۱۹۷۱ء کے واقعات کے رونما ہونے کے پیچھے متعدد مختلف اسباب و عوامل کارفرما تھے۔ جانتے بوجھتے مشرقی پاکستان کا اس کے مغربی بھائی کے ہاتھوں حقیقی استحصال، فوجی قیادت، زمینی سیاسی وجوہات کی بنا پر بھارت و روس کی پاکستان کو دو ٹکڑے کرنے کی خواہش، متعصب و جارح پاکستانی جرنیلوں اور سیاستدانوں کی مشرقی پاکستان کو جدا کرنے کی خواہش، مغربی پاکستان کی اسٹیبلشمنٹ کی جانب سے بنگالی مسلمانوں کی تحقیر و تذلیل، شدت پسند طلبہ تنظیمیں اور ان کا بنگالی قومیت کا تصور، یہ سب وہ عوامل تھے جنہوں نے بنگلہ دیش کے قیام کو ناگزیر بنا دیا۔ بھارت کی تیز و زیرک مشرک سیاستدان، اندرا گاندھی نے بھی فیصلہ کن کردار ادا کیا۔ ۱۹۷۱ء میں اس نے وہ سب کرنے کی جرأت کی، جس کو کرنے سے اس کے باپ نہرو نے ۱۹۶۳ء میں انکار کیا۔

مجیب الرحمٰن بھی اس سارے عمل کا حصّہ اور ایک سبب تھا۔ مگر وہ اس کا واحد سبب نہیں تھا، نہ ہی سب سے بڑا یا بنیادی سبب تھا۔ مجیب ایک پیشہ ور سیاستدان تھا، جو اپنے ہدف کی طرف بڑھتے ہوئے تمام فریقین کو خوش اور راضی رکھنا چاہتا تھا۔ وہ ایوب اور یحییٰ کو یہ یقین دلانے میں کامیاب رہا کہ وہ ایک محبِ وطن پاکستانی ہے۔ مگر ساتھ ہی وہ اگر تلہ سازش بُننے والوں کے ساتھ بھی مراسم قائم کیے رہا اور اپنے انتہا پسند آزادی کے حامی سٹوڈنٹ لیڈروں کو بھی خوش و مطمئن رکھنے میں کامیاب رہا۔ اس نے اپنی مبہم اور غیر واضح، عوام کے جذبات و تعصبات کو اپنے مقاصد کے لیے انتہائی عمدگی سے استعمال کرنے والی سیاسی پالیسی کے ذریعے مشرقی بنگال میں اپنی حیثیت اہم ترین قائد کے طور پر مستحکم کی۔

دو نئے ممالک، پاکستان اور بنگلہ دیش، کی تخلیق کے اعتبار سے مجیب کا تقابل جناح صاحب سے کیا جا سکتا ہے۔ جیسے جناح اپنی حکمت عملی میں تبدیلیاں لائے اور ۱۹۴۶ء کے وسط تک، وہ تقسیمِ ہند کے مطالبے پر کوئی سمجھوتہ کرنے کے لیے بخوبی آمادہ و رضامند تھے، اسی طرح مجیب نے بھی پاکستان کے وزیرِ اعظم کی حیثیت سے پاکستان کو اپنے تحت متحد اور جوڑے رکھنے کی بھرپور کوشش کی۔ اگر نہرو اور کانگرس پارٹی کے دوسرے لیڈر ایک متحدہ وفاقی ہندوستان کی

تجویز پر متفق ہو جاتے، ایسا وفاق کہ جس میں مسلم اکثریتی صوبوں کے پاس بھی مناسب مقدار میں خود مختاری ہوتی، تو آج دنیا کے نقشے پر کوئی پاکستان نہ ہوتا۔

جناح ہندوستانی مسلمانوں کے واحد ترجمان تھے، جبکہ مشرقی پاکستان میں مجیب بنگالیوں کا واحد نمائندہ نہیں تھا۔ ۲۵ مارچ ۱۹۷۱ء کو پاکستانی فوج کا آپریشن شروع ہونے سے پہلے بھی، مجیب کے بہت سے قریبی ساتھی اور مولانا بھاشانی جیسے بڑے سیاستدان بھی مشرقی پاکستان یا بنگلہ دیش کے لیے مکمل آزادی اور خود مختاری کے حق میں تھے۔ ان کے مقابلے میں مجیب مشرقی پاکستان کے لیے ایک متحدہ پاکستان میں محض مکمل خود مختاری اور مساوی مواقع کا حصول چاہتا تھا۔

جبکہ بھٹو اور غاصب فطرت پاکستانی جرنیل، جو کبھی بھی یہ نہیں چاہتے تھے کہ پاکستان پر بنگالی اکثریت کی حکومت قائم ہو، اور طرح کے عزائم رکھتے تھے۔ ۲۵ مارچ کے فوجی آپریشن اور مشرقی پاکستان میں نسل کشی سے مماثل جنگ برپا کر کے انہوں نے پاکستان کے دونوں بازوؤں کے درمیان کسی بھی قسم کے سمجھوتے اور مصالحت کے امکانات پر پانی پھیر دیا۔ بعد ازاں، پانی سر سے گزر چکا تھا اور واپس مڑنے کی کوئی صورت ممکن نہ تھی۔

نتیجہ

۱۹۴۷ء تا ۱۹۷۱ء کے واقعات اپنے دامن میں ہمارے لیے بہت سے اسباق رکھتے ہیں۔یہ حقیقت سمجھنا نہایت ضروری ہے کہ کسی بھی قوم کو رنگ و نسل اور اپنے نقطۂ نظر کی بنیاد پر مغلوب کرنے کی کوشش کرنا کبھی بارآور ثابت نہیں ہوتا۔ آپ اپنے رسم ورواج، اپنی زبان اور اپنے تصورات دوسروں پر نہیں تھوپ سکتے۔ کسی کو بھی یہ پسند نہیں آتا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایمان اور توحید کی بنیاد پر جڑنے اور متحد ہونے کا حکم دیا۔اور یہی وہ شناخت ہے جو دوسری ہر شناخت اور علامت پر بھاری ہے۔ اور جب ہم ایمان کی بنیاد پر اکٹھے و متحد ہوتے ہیں تو ہم ایک دوسرے کی تہذیب ورواج، زبان وعادات اور قوم و نسل کا احترام کرنا اور اسے قبول کرنا سیکھتے ہیں (جب تک کہ شریعتِ الٰہی سے ٹکرانے والا کوئی امر نہ ہو)، یوں ہم ایک دوسرے سے مستفید ہوتے ہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ○(سورۃ الحجرات:۱۳)

”اے لوگو! حقیقت یہ ہے کہ ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے، اور تمہیں مختلف قوموں اور خاندانوں میں اس لیے تقسیم کیا ہے تا کہ تم ایک دوسرے کی پہچان کر سکو، درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو۔ یقین رکھو کہ اللہ سب کچھ جاننے والا، ہر چیز سے باخبر ہے۔“

اور ہمارے محبوب ﷺ نے فرمایا: (خطبہ حجۃ الوداع)

"فليس لعربي على عجمي فضل ولا لعجمي على عربي فضل ولا لأسود على أبيض ولا لأبيض على أسود فضل إلا بالتقوى۔"[۳۰]

"کسی عربی کو عجمی پر، عجمی کو عربی پر، گورے کو کالے پر، کالے کو گورے پر کوئی امتیاز وفضیلت نہیں، سوائے تقویٰ کے امتیاز کے۔"

کس قدر خوبصورت ہیں اسلام کی تعلیمات! وہ اسلام کہ جس نے حبشہ کے بلالؓ اور قریش کے مصعبؓ کو متحد کر دیا۔ جس نے فارس کے سلمانؓ اور روم کے صہیبؓ کو لا ملایا۔ جس نے اوس اور خزرج کے جانی دشمنوں کو ایک مواخات کی لڑی میں پرو دیا۔ کس قدر دلنشین ہے اسلام، جس نے پوری دنیا میں پھیلے بے شمار قبائل اور مشرق و مغرب کی قوموں کو اخوت کے ایک پرچم تلے متحد کر دیا۔ کتنا خوبصورت ہے اسلام، جس نے ایک ایسا نظام وضع کیا کہ جس میں ہر قسم کے پس منظر سے تعلق رکھنے والے افراد ایمان، انصاف اور عدل کی بنیاد پر متحد ہو گئے۔ افسوس کہ آج ہم اپنی جدید ریاستوں، اپنے جدید تصورِ قومیت اور جدید نظریات کے باعث اس کامل و مثالی نمونے سے کس قدر دور چلے گئے۔

پاکستان کے ساتھ غداری مجیب کے آنے سے بہت پہلے ہو چکی تھی۔ اےء کے بپا ہونے سے بھی پہلے۔ پاکستان سے بے وفائی اور غداری تو مسلم لیگ نے کی، جس نے مسلمانانِ برصغیر کو اسلامی سرزمین کے خواب تو دکھائے، مگر اس خواب کو تعبیر دینے کا کبھی ارادہ نہ کیا۔ اسلام کے نام پر انہوں نے ایک ایسی لادین وسیکولر ریاست قائم کی جو آج تک اسلام کے بدترین دشمنوں کی مدد کرتی چلی آ رہی ہے۔

پاکستان سے غداری اس کی اپنی فوج نے کی۔ جو پاکستان کی پیدائش سے بھی پہلے سے مغرب کی ہرکارہ وغلام تھی، اور آج بھی ہے۔ اس فوج کی خصوصی مہارت مسلمانوں کو قتل کرنا ہے، چاہے وہ مشرقی پاکستان کے ہوں یا افغانستان کے بارڈر کے پاس بسنے والے قبائل کے۔

پاکستان سے غداری اشرافیہ پر مشتمل سیاسی طبقے نے کی جو ایک قسم کی موروثی حاکمیت میں مشغول ہیں، اور جو پورے ملک کو اپنی جاگیر سمجھتے ہیں۔

---

[۳۰] معجم کبیر للطبرانی

پاکستان سے غداری اسی دن ہو گئی تھی جب انسان کے بنائے قوانین اور نظریات اسلام سے زیادہ اہمیت اختیار کر گئے۔ اور آج ہم دیکھتے ہیں کہ مغربی تہذیب کی LGBTQ جیسی غلاظتوں کو کھلے عام پاکستان میں فروغ دیا جا رہا ہے۔ یہ اس ریاست کا حال ہے جسے اسلام کے نام پر تخلیق کیا گیا۔

دوسری طرف اہلِ بنگال کے ہاتھ کیا آیا؟ آج بنگلہ دیش بھارت پر بے تحاشا انحصار کرنے والی ایک ریاست میں تبدیل ہو چکا ہے۔ آج تہذیب اور بنگالی شناخت کے نام پر اسلام پر حملے کیے جاتے ہیں۔ حکومت لوگوں کو اغوا اور قتل کراتی ہے۔ وزیرِ اعظم اور اس کے غنڈے اربوں ڈالروں کی لوٹ مار میں مشغول ہیں۔ علمائے اسلام پابند سلاسل ہیں جبکہ طلبائے علم کو گولیوں سے بھونا جاتا ہے۔ خواتین کی عزت و عصمت محفوظ نہیں اور مرد ذلیل و خوار ہیں۔[31]

حقیقت یہ ہے کہ پاکستان اور بنگلہ دیش، دونوں ہی اپنے عہد نبھانے میں ناکام رہے۔ مسلمانانِ برصغیر اسلام چاہتے تھے۔ وہ ایک اللہ کی غلامی میں آنا چاہتے تھے۔ مگر اس کے بجائے ملا تو کیا؟ کہیں امریکہ اور کہیں بھارت کی غلامی!

تو ہم نے کیا پایا؟ اور کیا کھویا؟

ہم کس کی خوشی منائیں اور کس کو موردِ الزام ٹھہرائیں؟

وہ کون سا راستہ تھا جو ہمیں اختیار کرنا چاہیے تھا، اس محبوب منزل تک پہنچنے کے لیے......؟!

ایک مدت سے ہم اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہیں۔ ایک طویل عرصے سے ہم ایک دوسرے سے بدست و گریبان ہیں۔ ایک زمانے سے ہم انسانی ساختہ نظاموں اور نظریات کی بھول بھلیّوں میں گم ہیں۔ اب وقت آ چکا ہے کہ ہم اپنی اصل کی طرف لوٹ آئیں۔ اب وقت آ چکا ہے کہ ہم سچائی کی طرف، روشنی کی طرف پلٹیں۔ اب وقت آ چکا ہے کہ ہم، اپنے اسلام پر فخر کرنے والے مسلمانانِ برصغیر، چاہے وہ پنجابی ہوں یا سندھی، پشتون، اراکانی، بنگالی، بلوچ، تامل یا کسی بھی دوسری نسل سے تعلق رکھنے والے ہوں، وہ اس جہالت کے اندھیرے سے نکلیں اور اسلام کی

---

[31] یہ تحریر حسینہ واجد کا دھڑن تختہ ہونے سے قبل کی ہے۔ (ادارہ)

روشنی کو مضبوطی سے تھام لیں۔توحید کی خالص ترین بنیاد پر جہاد کریں،ان تمام خوبصورت علاقوں میں بسنے والے حسین لوگوں کو آزاد کرائیں اور سات آسمانوں کے اوپر سے نازل ہونے والے اللہ کے پاکیزہ نظام کو قائم و نافذ کریں۔

☆☆☆☆☆

یہ حقیقت سمجھنا نہایت ضروری ہے کہ کسی بھی قوم کو رنگ و نسل اور اپنے نقطۂ نظر کی بنیاد پر مغلوب کرنے کی کوشش کرنا کبھی بارآور ثابت نہیں ہوتا۔ آپ اپنے رسم و رواج، اپنی زبان اور اپنے تصورات دوسروں پر نہیں تھوپ سکتے۔ کسی کو بھی یہ پسند نہیں آتا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایمان اور توحید کی بنیاد پر جڑنے اور متحد ہونے کا حکم دیا۔ اور یہی وہ شناخت ہے جو دوسری ہر شناخت اور علامت پر بھاری ہے۔ اور جب ہم ایمان کی بنیاد پر اکٹھے و متحد ہوتے ہیں تو ہم ایک دوسرے کی تہذیب و رواج، زبان و عادات اور قوم و نسل کا احترام کرنا اور اسے قبول کرنا سیکھتے ہیں (جب تک کہ شریعتِ الٰہی سے ٹکرانے والا کوئی امر نہ ہو)، یوں ہم ایک دوسرے سے مستفید ہوتے ہیں۔